© rasailojaraid.com

اسلام میں وکالت کا تصور

(قسط : ۳)

تحریر : پروفیسر محفوظ احمد' ایسوسی ایٹ پروفیسر اسلامیات'
گورنمنٹ کالج، فیصل آباد۔

انواع واصول وکالت

انواع وکالت :

فقہاء کرام نے مختلف نوعیّتوں کے لحاظ سے وکالت کو جن متعدد قسموں میں تقسیم کیا ہے یہ ہیں :

ا۔ اوصاف وقیود کے لحاظ سے وکالت کو دو قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

(i) وکالت عامہ / مفوضہ

مختار عام یا وکالت عامہ سے مراد وہ وکالت ہے جس میں موکل وکیل کو ان الفاظ میں توکیل سونپتا ہے :

"انت وکیلی فی کل شئی او فی کل دعوی اقیمها علی غیری اویقیمها غیری علی"(۱)

(تو میرا ہر معاملہ میں وکیل ہے یا ہر اس دعوی میں وکیل ہے جو میں کسی پر کروں یا کوئی مجھ پر کرے۔) یا موکل یہ کہے :

"ماصنعت من شئی فهو جائز"(۲) (تو جو بھی کرے وہ درست ہے) اگر موکل نے یہ الفاظ کہے "انت وکیلی فی کل شئی"(۳) (یعنی تو ہر معاملے میں میرا وکیل ہے تو اس سے وکالت عامہ کی بجائے صرف حفظ مال کی وکالت مراد ہوگی۔(۴) علامہ شہاب الدین احمد بن عبد الوہاب نویری (م ۷۳۳ھ) فرماتے ہیں کہ وکالت عامہ میں ہر قسم کی وکالت جائز ہوتی ہے جیسے عدالتوں میں خصومت وجواب دہی' قاضیوں کے پاس' دعوی' جواب دعوی واستماع دعوی' قبولیت حوالہ' کفالت' اور ضمان وغیرہ میں بھی یہ وکالت جائز ہوتی ہے۔(۵)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وکالت عامہ کے متعلق شارح مجلّہ خالد الاتاسی نے لکھا ہے:

"وکالت عامہ میں وکیل کو ایسے تصرفات مالیہ جن میں معاوضہ ہو (جیسے بیع وشرا وغیرہ) کا اختیار ہوتا ہے۔ اسی طرح اسے اختیار ہو گا کہ وہ موکل کے قرض پر قبضہ کر سکے اور اس کی وصولی کا تقاضا کر سکے۔ موکل کے ذمہ جو قرض ہے اسے ادا کر سکے' موکل کے حقوق کا دعوی کر سکے۔ موکل پر کیے گئے دعوی کا سماع کر سکے' موکل پر جو قرض ہو اس کا اقرار کر سکے اور یہ اقرار بھی صرف عدالت کے ساتھ خاص نہیں ہے' وکیل اپنے موکل کا نکاح کر سکتا ہے اور ایک کے بعد دوسری عورت سے بھی نکاح کر سکتا ہے خواہ وہ طلاق یافتہ ہی کیوں نہ ہو اگر موکلہ عورت ہو اور منکوحہ ہو تو وکیل خود اس سے نکاح کر سکتا ہے۔

وکالت عامہ کے حامل وکیل کو تبرعات جیسے ھبہ کرنا' وقف کرنا' صدقہ کرنا' کل یا بعض قرض معاف کرنے کا اختیار نہیں ہوتا۔ اس طرح وکیل موکل کی بیوی کو طلاق بھی نہیں دے سکتا اور نہ ہی وہ موکل کے مال سے کسی کو قرض دے سکتا ہے۔ کیونکہ یہ تصرفات اگرچہ مال کے اعتبار سے معاوضہ ہیں لیکن ابتدا میں تو ان میں تبرع کی صورت ہے" (۶)

مالکیوں کے نزدیک بھی وکالت عامہ میں چند مستثنیات ہوتی ہیں۔ جیسے موکل کی بیوی کو طلاق دینا' موکل کی بیٹی کا نکاح کرنا اور جس گھر میں موکل مقیم ہو اسے فروخت کرنا۔ (۷)

علامہ سیف الدین ابوبکر محمد بن احمد قفال الشاشی (م ۵۰۷ ھ) فرماتے ہیں کہ اگر وکیل کو وکالت عامہ حاصل ہو لیکن اس میں جہالت ہو تو بھی جائز ہے جیسے موکل کہے "اشترما شئت وما رایت" تو خرید جو تو چاہے اور جو تو دیکھے۔ ایسا کہنے سے بھی وکالت درست ہو گی۔ (۸)

ii) وکالت خاصہ

وکالت کی اس قسم میں موکل وکیل کو ایک خاص کام سپرد کرتا ہے اور وہ اس کام کا ذکر صراحت کے ساتھ کرتا ہے۔ لہذا موکل کی طرف سے بیان کردہ حدود میں رہ کر وکیل اس کام کو سرانجام دیتا ہے۔ ان حدود سے تجاوز کی صورت میں وکیل خود ذمہ دار ہوتا ہے۔ وکالت خاصہ جتنی خاص ہو گی اس کا دائرہ اتنا ہی محدود ہو گا جیسے موکل نے وکیل سے کہا:

"تو اس گھر کی خریداری میں وکیل ہے" تو یہ توکیل خاص ہو گی۔ (۹)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وکالت خاصہ میں اگر جہالت ہو تو وکالت منعقد نہیں ہوتی۔ جیسے موکل کہے "اشترلی غنما" یعنی میرے لیے بکری خریدو۔ چونکہ اس میں عمر کی 'دودھ دینے والی یا نہ دینے والی کی جہالت ہے لہذا اس سے وکالت منعقد نہیں ہوگی۔ (۱۰)

۲۔ معاملات کو کسی شرط کے ساتھ مقید کرنے میں وکالت کی یہ صورتیں ہیں :

(i) وکالت مطلقہ

اس سے مراد وہ وکالت ہے :

"ھی الوکالۃالتی لایقیدفیھاالموکل الوکیل بای قیدمن القیود" (۱۱)

وکالت مطلقہ سے مراد وہ وکالت ہے جس میں موکل وکیل کو خاص معاملے میں کسی خاص شرط سے مقید نہیں کرتا جیسے موکل وکیل سے کہے :

"تو یہ چیز جب چاہے، جتنی قیمت میں چاہے جس کو چاہے اور جس طرح چاہے فروخت کردے" اس وکالت میں کیفیت بیع یعنی ثمن، وقت، زمان و مکان اور کسی کو فروخت کرنے کی کوئی قید وغیرہ نہیں ہے۔

یہ وکالت ایک لحاظ سے وکالت عامہ کے مشابہہ ہوتی ہے اور ایک لحاظ سے وکالت خاصہ سے بھی ملتی ہے اس لیے کہ موکل وکیل کو صرف بیع کے تصرف میں محدود کررہا ہے۔ وکالت عامہ کے مشابہہ اس لئے کہ بیع کے تصرف میں کوئی قید نہیں لگائی گئی اس لحاظ سے اس وکالت کو وکالت خاصہ مطلقہ بھی کہا جاتا ہے۔

(ii) وکالت مقیدہ

یہ وکالت وکالت مطلقہ کے برعکس ہے۔ اس میں موکل وکیل کے تصرفات کو محدود کر دیتا ہے۔ جیسے موکل وکیل سے کہے :

"تم میرے لیے فلاں قسم کا اور فلاں کمپنی کا کمپیوٹر اتنی قیمت میں خریدو۔ اب وکیل ان حدود میں رہ کر کمپیوٹر خرید سکتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ قید مقام کی بھی ہوسکتی ہے کہ موکل کسی شخص کو وکیل خصومت اس شرط پر مقرر کرے کہ فلاں شہر میں میرے خلاف جو مقدمہ قائم ہے یا قائم ہو اس کے لیے تم میرے وکیل ہو۔" (۱۲)

چونکہ یہ وکالت ایک خاص کام سے مقید ہوتی ہے لہذا اس وکالت کو وکالت خاصہ مقیدہ کہا جاسکتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۔ تعیین وقت کے لحاظ سے بھی وکالت کی دو قسمیں ہیں :

وکالت موقتہ

اس وصورت کے بارے فظریۃ النیابہ میں ہے :

"ھی الوکالۃ المحدودۃ بزمن تنتھی بہ" (۱۳)

اس مراد وہ وکالت ہے جس میں موکل وکیل کی وکالت کو ایک خاص وقت کے لیے محدود کرتا ہے جیسے موکل وکیل سے کہے :

"وکلت عنی حتی اخر العام" (یعنی میں نے تمہیں ایک سال کیلئے وکیل مقرر کیا)

دور حاضر میں بھی بعض سرکاری ادارے اپنے عدالتی معاملات کے بارے ایک سال کیلئے اپنا وکیل مقرر کرتے ہیں۔

(ii) وکالت غیر موقتہ

اس سے مراد وہ وکالت ہے جو کسی زمانے یا وقت کے ساتھ محدود نہیں ہوتی۔ بلکہ تعیین وقت کے بغیر اس وکیل کو مقرر کیا جاتا ہے۔ ایسے وکیل کو غیر معین وقت کیلئے وکالت کے حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ (۱۴)

۴۔ التزام طرفین کے لحاظ سے وکالت کی یہ قسمیں ہیں :

(i) وکالت عامہ لازمہ

اس سے مراد وہ وکالت ہے جس میں موکل اور وکیل کے علاوہ کسی تیسرے فرد یا افراد سے بھی حقوق متعلق ہوتے ہیں جیسے حوالہ یعنی مقروض کا اپنے مطالبہ قرض کو دوسرے شخص پر اس قرض کے عوض ڈال دینا جو اس شخص نے اس سے لینا تھا اور وصولی یا ادائیگی قرض کی وکالت۔

اس وکالت میں نہ تو وکیل جب چاہے عقد وکالت سے خود کو دست بردار کر سکتا ہے اور نہ ہی موکل وکیل کو جب چاہے وکالت سے معزول کر سکتا ہے بلکہ جس کام کے لئے وکیل کیا گیا ہو اس کا مکمل کرنا وکیل پر لازم ہوتا ہے۔ (۱۵)

(ii) وکالت غیر لازمہ

اس عقد وکالت میں حقوق و فرائض صرف موکل اور وکیل تک محدود ہوتے ہیں۔ اس وکالت میں موکل جب چاہے وکیل کو معزول کر سکتا ہے اور وکیل بھی جب چاہے معاہدہ وکالت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے خود دستبردار ہو سکتا ہے جیسے وکیل بیع اور وکیل شراء وغیرہ۔ اس وکالت سے متعلق نظریۃ النیابۃ میں یہ بات اس طرح مذکور ہے :

"ان الوکیل یستطیع ان یعفی نفسه من الوکالۃ متی شاء لانها وکالۃ غیر لازمۃ وکذلک الموکل له الحق ان یعفی وکیله متی شاء "(۱۶)

۵۔ حیثیت وکیل کے لحاظ سے وکالت کی یہ دو قسمیں ہیں :

(i) وکالت حقیقی

اس سے مراد وہ وکالت ہے جس میں وکیل موکل کا مکمل طور پر نائب ہوتا ہے اور معاملات میں ہر قول و فعل اپنی طرف منسوب کرتا ہے اس وکالت میں وہ معاملات آتے ہیں جو ایک شخص سے دوسرے شخص تک منتقل ہوتے ہیں جیسے وکیل بیع و شرا' صلح' اقرار اور اجارہ وغیرہ۔

اس قسم وکالت کو مجلّہ الاحکام العدلیہ میں اس طرح بیان کیا گیا :

"لا تشترط اضافۃ العقد الی الموکل "(۱۷)

معاملات میں وکیل کا معاملہ کو اپنے موکل کی طرف منسوب کرنا شرط نہیں ہوتا لہٰذا وہ معاملہ اگر وکیل اپنی طرف بھی منسوب کرے تو بھی درست ہوگا۔

(ii) وکالت غیر حقیقی

وہ عقد جس میں وکیل اگرچہ موکل کا نائب ہوتا ہے لیکن معاملات کرتے وقت معاملات کی نسبت اپنی طرف نہیں کر سکتا ہے جیسے نکاح' ھبہ' عاریت' رہن اور ودیعت وغیرہ کی والت میں وکیل معاملہ کی نسبت اپنی طرف نہیں کر سکتا بلکہ اپنے موکل کی طرف کرتا ہے۔ مجلّہ میں ہے :

"یلزم ان یضیف الوکیل العقد الی موکله "(۱۸)

یعنی اس قسم وکالت میں وکیل کے لیے لازم ہوتا ہے کہ وہ عقد کی نسبت موکل کی طرف کرے۔

۶۔ معاملات کی نوعیت کے لحاظ سے وکالت کی یہ قسمیں ہیں :

(i) وکالت معلومہ

اس سے مراد وہ وکالت ہے جس میں وکیل کہے :

"ان فلانا وکلنی وکیلا فی قبض هذا الحق لانه توکیل المعلوم "(۱۹)

(مجھے فلاں شخص نے یہ حق وصول کرنے کے لئے وکیل بنایا ہے)

چونکہ اس وکالت میں وکیل واضح طور پر کہتا ہے کہ مجھے فلاں شخص نے فلاں معاملے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں وکیل مقرر کیا ہے لہذا یہ وکالت معلومہ کہلائے گی۔

(ii)وکالت مجہولہ

موکل کا دواشخاص کو ایک کام کے لیے بلا تخصیص وکیل بنانا وکالت مجہولہ کہلاتی ہے۔

اس کی صورت یہ ہے کہ اگر موکل دو اشخاص سے کہے کہ اگر یہ دونوں فلاں چیز کو فروخت کر دیں تو جائز ہے تو ان میں سے جو کوئی بھی اس کے پاس آئے اور اس چیز کو فروخت کر دے تو یہ درست ہے لیکن اس وکالت کو توکیل مجہول اس لیے کہیں گے کہ اس وکالت کی کسی خاص شخص کی طرف نسبت نہیں کی گئی اور یہ جہالت ہو گی لیکن یہ جہالت شی کی فروخت میں مانع نہیں ہو گی۔

اسی طرح اگر موکل نے کہا "وکلت هذا وهذا وسبيع هذا" (۲۰)

یعنی میں نے اس کو وکیل بنایا اور مبیع یہ ہے تو ان میں کسی ایک نے اسے فروخت کر دیا تو یہ استحساناً جائز ہو گا اگر چہ قیاساً درست نہیں۔

اگر جہالت موکل فیہ میں ہو تو وکالت باطل ہو گی جیسے اگر کسی نے کسی شخص کو مجہول یا غیر معلوم معاملے میں وکیل بنایا یا یہ کہا کہ میں نے تجھے اس معاملے میں وکیل بنایا تو موکل فیہ مجہول ہونے کے باعث وکالت درست نہیں ہو گی۔(۲۱)

۷۔ شرط کے لحاظ سے وکالت کی دو قسمیں ہیں:

(i)مشروط وکالت

جب عقد وکالت کو کسی جائز شرط سے معلق کر دیا جائے تو مشروط وکالت کہلائے گا جیسے موکل کسی سے یہ کہے کہ پہلے فلاں کام کر پھر تو فلاں کام میں میرا وکیل ہے۔

(ii)غیر مشروط وکالت

موکل کسی شخص کو کسی شرط کے بغیر وکیل مقرر کرے تو یہ غیر مشروط وکالت کہلائے گی (۲۲)

۸۔ معاوضہ کے لحاظ سے وکالت کی یہ دو قسمیں ہیں:

(i)رضاکارانہ وکالت (وکالت ایضاع)

وہ وکالت جس میں وکالت کی اجرت شرط نہ ہو۔اس صورت میں وکیل بلا معاوضہ وکالت کرے گا اور کسی معاوضہ کے مطالبہ کا حق نہیں رکھے گا۔

(ii)معاوضہ پر وکالت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ وکالت جس میں فرائض وکالت کے لیے معاوضہ کی شرط ہو اور وکیل کو ادائیگی فرض پر معاوضہ دینا ضروری ہو۔ (۲۳)

۹۔ مشروعیت کے لحاظ سے وکالت کی اقسام یہ ہیں :

(i) وکالت جائز

اگر عقد وکالت کسی خاص اور جائز غرض کے لیے ہو تو وکالت جائز کہلائے گی۔ جیسے حلال اشیاء کی بیع و شراء یا جائز امور انجام دینے میں کسی کو وکیل مقرر کرنا۔

(ii) وکالت لغو

اگر عقد وکالت کسی ناجائز غرض پر ہو یا ان معاملات سے متعلق ہو جو شرعاً ناجائز ہوں تو ایسی وکالت لغو وکالت کہلائے گی۔ جیسے "سود لینے یا خنزیر کی فروخت پر کسی کو وکیل مقرر کرنا" (۲۴)

۱۰۔ وقت کی تعیین کے لحاظ سے وکالت کی یہ دو قسمیں ہیں :

(i) محدود وقت کی وکالت

یہ وکالت اجارہ کی شکل میں ہوتی ہے اس میں کسی شخص کو مقررہ کام اور مقررہ معاوضہ پر وکیل بنایا جاتا ہے لیکن اس میں وقت اور مدت کا تعین نہیں ہوتا جیسے موکل وکیل سے یہ کہے کہ "میرے پانچ اونٹ اتنی مدت میں اور اتنی قیمت میں فروخت کرو" (۲۵) اگرچہ اس وقت میں کام ہو یا نہ ہو اسی طرح اگر موکل وکیل سے کہے کہ "میرے تین اونٹ منڈی لے جاؤ اور اتنی رقم میں فروخت کرو تمہیں تمہارا معاوضہ ملے گا خواہ ان ایام میں اونٹ فروخت ہوں یا نہ ہوں۔

(ii) غیر محدود وقت کی وکالت

کسی شخص کو مقررہ کام کے لیے مقررہ معاوضہ پر وکیل بنایا گیا ہو لیکن اس میں مدت کا تعین نہ ہو۔ جیسے موکل وکیل سے کہے کہ یہ پانچ اونٹ اتنی قیمت میں فروخت کرو خواہ کتنے دن لگ جائیں۔ (۲۶)

۱۱۔ موکل کی موجودگی و عدم موجودگی کے لحاظ سے وکالت کی یہ دو قسمیں ہیں :

(i) وہ معاملات جن میں امر وکالت کو انجام دیتے وقت موکل کی موجودگی ضروری ہوتی ہے جیسے قصاص اور حدود کے مقدمات میں وکالت۔ (۲۷)

(ii) وہ معاملات جن میں امر وکالت کو انجام دیتے وقت موکل کی موجودگی و عدم موجودگی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

برابر ہوتی ہے اور دونوں حالتوں میں وکیل کی وکالت درست ہوتی ہے جیسے قرض کی وصولی کے لیے کسی کو وکیل بنانا۔(۲۸)

۱۲۔ وکالت کی ایک اور لحاظ سے علامہ سنہوری نے یہ تین قسمیں بیان کی ہیں :

(i)وکالت شرعیہ

اس سے مراد وہ وکالت ہے، جس میں شرعی طور پر کسی کو کسی کا وکیل یا نائب مقرر کیا گیا ہو جیسے مجور (وہ نابالغ بچہ جسے اپنے معاملات میں تصرف کا اختیار نہیں ہوتا) کا نائب شرعی طور پر اس کا ولی ہوتا ہے۔ ولی نہ ہونے کی صورت میں جج اس کا نائب ہوتا ہے۔

(ii)وکالت قضائیہ

وہ وکالت جو کسی کو محکمہ قضا کی طرف سے حاصل ہو جیسے قاضی رجج کا وصی مقرر کرنا یا عدالت کی طرف سے کسی کو مجور کا وکیل بنانا۔

(iii)وکالت اتفاقیہ

جب کوئی شخص کسی کو اپنے معاملات طے کرنے کے لیے خود وکیل مقرر کرے تو اسے وکالت اتفاقیہ کہا جاتا ہے جیسے کسی کو اپنا وکیل نکاح، وکیل بیع اور وکیل خصومت وغیرہ مقرر کرنا(۲۹)

وکالت کی صورتیں

وکالت کی صورتوں سے مراد یہ ہے کہ کتنے آدمی کتنے اشخاص کو وکیل مقرر کر سکتے ہیں۔ اس کے متعلق علامہ ابوالولید ابراھیم بن ابوالیمن محمد ابن شحنہ (م ۸۸۲ھ) نے لسان الحکام میں ان صورتوں کا ذکر کیا ہے۔

پہلی صورت : ”وکالة رجل لرجل اخر“

وکالت کی پہلی صورت یہ ہے کہ ایک شخص اپنے معاملات طے کرنے کے لیے ایک شخص کو وکیل مقرر کرے۔

دوسری صورت : ”وکالة رجلین لرجل واحد“

وکالت کی دوسری صورت یہ ہے کہ دو اشخاص اپنے معاملات طے کرنے کے لیے ایک شخص کو وکیل مقرر کریں۔

تیسری صورت : ”وکالة رجل لرجلین“

© rasailojaraid.com

وہ وکالت جو کسی کو محکمہ قضا کی طرف سے حاصل ہو جیسے قاضی رجج کا وصی مقرر کرنا یا

© rasailojaraid.com

کے لیے دو اشخاص کو بطور وکیل مقرر کرے۔

چوتھی صورت : "وکالۃ رجلین لرجلین او اکثر"

وکالت کی چوتھی صورت یہ ہے کہ دو اشخاص اپنے مسائل و معاملات کے دو یا دو سے زائد افراد کو بطور وکیل مقرر کریں۔

علامہ ابن شحنہ ان صورتوں کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ وکالت کی یہ تمام صورتیں شرعاً جائز ہیں۔(۳۰)

وکالت اور وصیت' تفویض' مقاولہ ور سالۃ میں فرق و مماثلت

۱۔ وکالت اور وصیت

وصیت کا لفظ "وصی" سے مشتق ہے۔ عربی زبان میں یہ لفظ ان معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ کسی کام کا عہد لینا' کسی کام کا اشارہ کرنا' حکم دینا' مالک بنانا اور نائب بنانا (۳۱) انگریزی میں اسے Will کہتے ہیں۔ فقہی اصطلاح میں وصیت سے مراد ہے :

"تملیک مضاف الی مابعدالموت"(۳۲)

(اپنی موت کے بعد کسی کو کسی چیز کا بطور (حسن سلوک) مالک بنانا)

وکالت اور وصیت میں فرق بھی ہے اور مماثلت بھی۔ وکالت اور وصیت میں مابہ الامتیاز یہ صورتیں ہیں :

۱۔ نفاذ وصیت کے بعد وصیت کردہ مال موصی لہ (وہ شخص جس کے حق میں وصیت کی جائے) کی ملکیت ہو جاتا ہے جب کہ وکیل وکالت کے بعد کسی بھی چیز کا خود حقیقی مالک نہیں ہوتا۔

۲۔ موصی اور موصی لہ قبولیت وصیت کے بعد خود کو معزول نہیں کر سکتے جب کہ موکل وکیل کو جب چاہے معزول کر سکتا ہے۔(۳۳)

۳۔ وصیت اپنے کل مال میں سے صرف ایک تہائی حصہ میں ہوتی ہے جب کہ وکالت بلا تقیید مال ہو سکتی ہے۔(۳۴)

۴۔ وصیت بدنی عبادات میں بھی ہو سکتی ہے جبکہ وکالت عبادات بدنیہ میں نہیں ہو سکتی۔(۳۵)

۵۔ وکالت میں وکیل کا مقرر کرنا ضروری ہے جبکہ وصیت میں موصی لہ اگر نہ بھی مقرر کیا جائے تو بھی وصیت جائز ہے۔(۳۶)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۶۔ وکالت صرف موکل کی زندگی میں نافذ ہوتی ہے جب کہ وصیت انسان کی موت کے بعد نافذ ہوتی ہے۔(۳۷)

۷۔ توکیل میں وکیل کو تقرر وکالت کا علم ہونا ضروری ہے خواہ اس کی خبر کسی باوثوق ذرائع سے نہ بھی دی گئی ہو۔جب کہ وصیت میں موصی لہ کو اپنی تقرر کا علم ہونا ضروری نہیں۔اگر کسی شخص کو موصی نے وصی بنایا پھر موصی مر گیا اور وصی نے اپنے وصی ہونے کا علم ہونے سے پیشتر میت کے ترکہ میں سے کسی چیز کو فروخت کیا تو یہ استحساناً درست ہوگا۔لیکن وکیل اپنی وکالت کا علم ہونے سے پہلے موکل کے مال میں تصرف کرے تو یہ جائز نہیں ہوگا۔(۳۸)

۸۔ وصی (یعنی جو وصیت کی تعمیل کرے) کی موت سے وصیت کا جو کام باقی رہتا ہے قاضی اس کو مکمل کرنے کے لیے دوسرا وصی مقرر کر سکتا ہے جبکہ وکالت میں ایسا نہیں ہوتا۔(۳۹)

۹۔ قاضی وصی کو خیانت کی تہمت سے بطور وصی معزول کر سکتا ہے جب کہ وکیل کو خیانت کے باعث وکالت سے قاضی معزول نہیں کر سکتا۔(۴۰)

۱۰۔ امر وکالت کو پورا کرنے کے لیے حدود اور پابندیاں لگائی جا سکتی ہے۔جب کہ وصی کو امر وصیت ادا کرنے کے لیے حدود و قیود سے پابند نہیں کیا جا سکتا۔(۴۱)

۱۱۔ وصی کے لیے عاقل،بالغ اور مسلمان ہونا ضروری ہے جبکہ وکیل کیلئے یہ شرائط نہیں ہیں۔(۴۲)

وکالت اور وصیت میں باہم یہ مماثلت ہے۔

۱۔ جس طرح حرام امور میں توکیل جائز نہیں اسی طرح حرام امور میں وصیت بھی جائز نہیں۔(۴۳)

۲۔ وصیت موصی کی ملکیت میں ہی ہوتی ہے۔جب کہ وکالت بھی موکل کی ملکیت میں ہی ہوتی ہے(۴۴)

۳۔ جس طرح وکیل کا ہر فعل موکل کی رضامندی سے ہوتا ہے اسی طرح موصی لہ کا ہر کام موصی کے حکم کے تابع ہوتا ہے۔(۴۵)

وکالت اور تفویض

تفویض کا لفظ فوض سے ہے جس کا معنی ہے الوکالۃ سپرد کرنا۔(۴۶) تفویض کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انگریزی میں Entrusting کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

"اُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ" (۴۷)

(میں اپنا کام اللہ کے سپرد کرتا ہوں بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دیکھنے والا ہے)

فقہی اصطلاح میں کسی معاملے میں کسی دوسرے شخص کو اختیار سپرد کرنا تفویض کہلاتا ہے۔ (۴۸) جیسے کسی شخص کا اپنی عورت کو طلاق دینے کے لیے کسی دوسرے شخص کو حق طلاق سپرد کرنا۔

اگرچہ وکالت اور تفویض کے معانی میں قدرے مماثلت ہے لیکن اصطلاحی لحاظ سے ان دونوں کے معانی واستعمال میں یہ فرق ہے۔

۱۔ مفوض (جسے کوئی کام تفویض کیا گیا ہو) وہ اس کام کو اپنی مرضی کے مطابق کرتا ہے (یعنی مفوض کی طرف سے کوئی خاص طریق کار وضع نہیں کیا جاتا) اگرچہ مفوض (کام سپرد کرنے والا) اس طریق کار سے رضامند ہو یا نہ ہو جیسے مفوض کسی سے کہے کہ تمہیں ایک سائیکل خریدنی ہے اب وہ شخص وہ سائیکل جہاں سے چاہے اور جتنی رقم میں چاہے خریدے تو اس کا یہ خریدنا درست ہوگا جبکہ توکیل میں وکیل موکل کی رضامندی کے مطابق عمل کرتا ہے بلکہ اگر وکالت خاصہ ہو تو صرف اس جملے سے "تم ایک سائیکل خریدو" وکالت قائم نہیں ہوگی کیونکہ اس میں جہالت ہے کہ کون سی سائیکل یا کتنی رقم کی سائیکل خریدنی ہے اور اگر یہ بات واضح ہو تو اس کے مطابق خریدنا ضروری ہوگا۔ نافرمانی کی صورت میں موکل کا اس سائیکل کو لینا اس کے اختیار پر مبنی ہوگا۔

۲۔ تفویض کے بعد امر تفویض میں مفوض کا اختیار ختم ہو جاتا ہے اور مفوض لہ کا اختیار مستقل ہو جاتا ہے۔ جیسے شوہر اگر حق طلاق اپنی بیوی کو تفویض کر دے تو پھر شوہر اسے طلاق نہیں دے سکتا۔ جبکہ وکالت میں اس کے برعکس ہوتا ہے۔

۳۔ موکل وکیل کو جب چاہے معزول کر سکتا ہے سوائے چند معاملات کے جن میں موکل میں اور وکیل کے علاوہ تیسرے شخص کا حق بھی متعلق ہوتا ہے۔ لیکن مفوض اس شخص کو جسے کام سونپا گیا ہو جب چاہے امر تفویض سے دستبردار نہیں کر سکتا اور نہ ہی مفوض اپنی بات واپس لے سکتا ہے۔

۴۔ وکالت موکل کے مجنون ہونے سے ختم ہو جاتی ہے جبکہ عقد تفویض مفوض کے مجنون

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہونے سے ختم نہیں ہوتا۔

۵۔ وکیل کے لیے صاحب عقل ہونا شرط ہے۔ جبکہ مفوض یا مفوض لہ کے لیے تفویض کے وقت عاقل ہونا ضروری نہیں۔

۶۔ وکیل صرف دوسرے کے لیے کارروائی کر سکتا ہے اپنے لیے نہیں جبکہ مفوض لہ اپنے لیے بھی کارروائی کر سکتا ہے جیسے کہ مرد اپنی عورت سے کہے کہ میں تمہیں خود کو طلاق تفویض کرتا ہوں تو اب عورت جب چاہے خود کو طلاق دے سکتی ہے۔

۷۔ وکالت کی تعمیل ضروری ہوتی ہے جبکہ تفویض پر عمل کرنا ضروری نہیں جیسے مذکورہ مثال میں عورت کو حق تفویض طلاق مل جانے کے بعد ضروری نہیں کہ وہ خود کو طلاق دے اگر وہ ساری زندگی خود طلاق نہ بھی دے تو اس کے لیے کوئی لازم نہیں۔

۸۔ توکیل میں وکیل کا اختیار نہیں ہوتا جبکہ تفویض میں مفوض لہ امر تفویض کو کرنے میں مختار ہوتا ہے۔(۴۹)

تفویض اور وکالت میں باہمی مماثلت یہ ہے:

۱۔ تفویض بھی وکالت کی طرح ایک نیابت ہے۔

۲۔ تفویض بھی وکالت کی طرح ایک باقاعدہ عقد ہے۔

وکالت اور مقاولہ

مقاولہ کا لفظ قول سے ہے۔ جس کا لغوی معنی ہے باہم بات چیت کرنا اور مباحثہ کرنا۔(۵۰)

جبکہ اصطلاح میں مقاولہ سے مراد ہے:

"ان یتعاہدہ اثنان اواکثرعلی عمل امرمعاکبناء الدارِاوالقیام بتجارۃ"(۵۱)

(دو یا دو سے زائد افراد کا کسی کام کے اکٹھا کرنے پر معاہدہ کرنا مقاولہ کہلاتا ہے جیسے مکان بنانے اور تجارت کرنے پر معاہدہ کرنا) اسے انگریزی میں Contractorship کہا جاتا ہے۔

المعجم الوسیط میں ہے:

"عقدیتعہدبمقتضاہ احد المتعاقدین اویصنع شیئاًاو ا ن یودی عملاً لقاء اجریتعاھدالمتعاقدالاخر"(۵۲)

(فریقین کا اس بات پر معاہدہ کرنا کہ ایک فریق کام کرے گا اور دوسرا فریق کام کرنے والے فریق کو اس کی اجرت دے گا جیسے ٹھیکہ داری کا معاہدہ کرنا)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وکالت اور مقاولہ ان امور میں ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔

۱۔ مقاولہ میں مقاول رب العمل کا نائب نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک معاہدے کے تحت مستقل طور پر اپنا کام کرتا ہے۔ جبکہ وکیل موکل کے نائب ہونے کی حیثیت سے کام کرتا ہے اور اس کام کو موکل ہی کا کام سمجھا جاتا ہے۔

۲۔ مقاول مضاربت کی طرح ہوتا ہے (یعنی اصل سرمایہ کسی کا اور کام کوئی دوسرا کرتا ہے) اس کے کام میں نفع بھی ہو سکتا ہے اور نقصان بھی۔ رب العمل یعنی مالک کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہوتا کہ اس نے مخصوص رقم میں مخصوص کام لینا ہوتا ہے جبکہ وکیل مضارب کی طرح نہیں ہوتا۔ امر وکالت کو کرنے میں اگر خسارہ ہو تو وہ وکیل کا نہیں بلکہ موکل کا خسارہ ہوتا ہے۔

۳۔ مقاولہ ہمیشہ اجرت پر ہوتا ہے۔ جبکہ وکالت معاوضہ پر بھی ہوتی ہے اور ایضاً یعنی بغیر معاوضہ کے بھی۔

۴۔ مقاولہ میں اگر مقاول کو نقصان ہو تو رب العمل یعنی مالک کو جواب دہ نہیں ہوتا جبکہ وکیل نقصان کی صورت میں موکل کو جوابدہ ہوتا ہے۔

۵۔ عقد مقاولہ میں رب العمل مقاول کو معزول نہیں کر سکتا جبکہ وکیل کو موکل کسی بھی وقت معزول کر سکتا ہے۔

۶۔ رب العمل کی موت سے مقاولہ متاثر نہیں ہوتا جبکہ موکل کی موت سے وکالت ختم ہو جاتی ہے۔

۷۔ مقاولت صرف مادی اشیاء میں ہوتی ہے جبکہ وکالت مادی اور غیر مادی امور میں بھی ہو سکتی ہے۔

مقاولت اور وکالت میں باہمی مماثلت یہ ہے:

۱۔ مقاولۃ اور وکالۃ میں مقاول اور وکیل دونوں ایک مخصوص کام کو مخصوص وقت میں کام کرنے کے معاہدہ کرتے ہیں۔

۲۔ مقاولۃ اور وکالۃ دونوں کا عقد ایجاب اور قبول سے منعقد ہوتا ہے۔ (۵۳)

وکالت اور رسالت

رسالۃ کا لفظ رسل سے مشتق ہے جس کا معنی ہے بھیجنا۔ جس شخص کو کسی کی طرف بھیجا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گیا ہو اسے رسول کہتے ہیں۔ رسالت کو انگریزی میں Messengership کہتے ہیں۔ رسول کا مترادف سفیر ہے۔ المنجد میں سفیر کا معنی یہ بیان کیا گیا ہے :

"الرسول المصلح بین القوم" (۵۴) (قوم کی اصلاح کرنے والا سفیر یا رسول ہوتا ہے۔)

عقد و معاملات دو طرح کے ہوتے ہیں۔

اول۔ وہ عقود جن میں وکیل موکل کی طرف سے تفویض کردہ کام اپنی نسبت سے کرتا ہے جیسے خرید و فروخت وغیرہ۔

دوم : وہ عقود جن میں وکیل موکل کی طرف سے مفوضہ کام کی نسبت اپنی طرف نہیں کر سکتا جیسے نکاح و طلاق میں وکالت۔ موخر الذکر معاملات میں وکیل کا حیثیت سفیر کی سی ہوتی ہے۔ رسول کا ذکر حضور ﷺ نے ایک حدیث جسے حضرت ابو یعلیٰؓ نے روایت کیا ہے، میں اس طرح فرمایا :

"اذااتتک رسلی فاعطهم اوقال فادفع الیهم ثلاثین درعاًوثلاثین بعیرا اواقل من ذلک" (۵۵)

(جب تمہارے پاس میرے وکیل آئیں تو انہیں تیس سیاہ بدن اور سفید سر والے گھوڑے اور تیس اونٹ یا اس سے کم دے دینا۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیا عاریتاً لی ہوئی اشیاء لوٹائی جاتی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا : ہاں)

رسول بمعنی سفیر کی اصطلاحی تعریف یہ ہے :

"ھی تبلیغ احدکلام الاخرالی غیرہ من دون ان یکون له دخل فی التصرف" (۵۶)

(کسی شخص کا دوسرے شخص کے کلام کو اپنی طرف سے دخل اندازی یا تصرف کے بغیر پہنچانا)

فقہاء کے نزدیک رسالت وکالت میں شمار نہیں ہوتی جیسے ایک صراف کسی سے قرض لینا چاہے اور اپنے خادم کو رقم لانے کے لیے بھیجے تو یہ خادم قرض لانے والا رسول کہلائے گا، وکیل نہیں۔

کبھی ایک کام میں وکالت بھی ہوتی ہے اور رسالت بھی جیسے کسی تاجر کے پاس ایک ملازم اپنے مالک کے حکم سے کوئی چیز خریدنے جائے تو یہ وکالت ہو گی، اگر کسی چیز کو خود مالک نے خریدا اور خادم سے کہا کہ وہاں سے فلاں مال لے آؤ تو وہ خادم سفیر کہلائے گا (۵۷)

وکالت اور رسالت میں مابہ الامتیاز یہ امور ہیں :

۱۔ رسول کو مرسل کے امور میں کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ جبکہ وکیل امر وکالت میں بااختیار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتا ہے۔(۵۸)

۲۔ رسالت کے لیے رسول ہی کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اور وکالت کے لیے وکالت اور اس کے ہم معنی الفاظ بھی استعمال کیے جا سکتے ہیں اور وکالت درست قرار پاتی ہے۔(۵۹)

۳۔ رسول ہر کام میں کام کی نسبت اپنے مرسل کی طرف کرتا ہے جبکہ وکیل چند مخصوص معاملات کے علاوہ باقی تمام معاملات میں اپنی طرف نسبت کرتا ہے۔اس لیے کہ رسول خود عاقد نہیں ہوتا وہ محض سفیر ہوتا ہے جبکہ وکیل خود عاقد ہوتا ہے۔(۶۰)

۴۔ رسالت ایک باقاعدہ معاہدہ نہیں ہوتا جبکہ وکالت ایک باقاعدہ معاہدہ ہوتا ہے۔(۶۱)

۵۔ رسول امر رسالت میں مرسل کی عبارت کو بعینہ نقل کرتا ہے اور اپنی طرف سے کوئی عبارت نہیں بناتا جبکہ وکیل امر وکالت میں اپنی عبارت یا اپنے الفاظ استعمال کرتا ہے محض اپنے موکل کی عبارت کو نقل نہیں کرتا۔(۶۲)

وکالت اور رسالت ان امور میں باہم مماثل ہیں:

۱۔ وکالت اور رسالت دونوں معاوضہ پر بھی اور بلا معاوضہ بھی ہو سکتے ہیں۔

۲۔ رسول بھی مرسل کی اجازت سے رسول ثانی بنا سکتا ہے اور وکیل بھی موکل کی اجازت سے وکیل ثانی مقرر کر سکتا ہے۔

۳۔ موکل اور مرسل کی وفات سے وکالت اور رسالت ختم ہو جاتی ہے۔

۴۔ وکالت اور رسالت مادی اور غیر مادی امور میں ہو سکتی ہے۔

۵۔ رسول اور وکیل کے ہاتھوں نقصان ہونے پر مرسل اور وکیل دونوں ضامن نہیں ہوتے۔

وکالت بطور ذریعہ معاش

وکالت معاشرے اور افراد کی بنیادی ضرورت کے علاوہ کسب واکل حلال کا بھی ایک ذریعہ ہے۔اس لیے فقہاء کا جہاں اس کے قانونی جواز پر اجماع ہے وہاں انہوں نے اس کے ذریعہ معاوضہ، مشاہرہ اور انعام واکرام کے جواز کو بھی ثابت کیا ہے۔

امام بخاری نے الجامع الصحیح میں وکالت کے معاوضہ کی اباحت کا اشارہ ایک باب کے ترجمۃ الباب میں کیا ہے۔جس کے الفاظ یہ ہیں:

"باب الوکالة فی الوقف ونفقته وان یطعم صدیقاله ویاکل بالمعروف"(۶۳)

(یعنی وقف کردہ مال اور کسی نفقہ میں کسی کو وکیل بنانا جائز ہے اور وکیل کے لیے جائز ہے کہ وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خود بھی معروف طریقہ سے اس مال کو کھائے اور اپنے دوست کو بھی کھلائے۔)

علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں:

"یجوزالتوکیل بجعل وغیرجعل۔۔۔فان کانت بجعل استحق الوکیل الجعل بتسلیم ماوکل فیه الی الموکل ان کان ممایمکن تسلیمه"(۶۴)

وکالت کا بامعاوضہ ہونا اور بلا معاوضہ ہونا درست ہے بے شک حضور ﷺ نے حضرت انس بن ضحاکؓ کو اقامت حد میں اور حضرت عروہ بن جعدؓ کو بکری کی خریداری میں، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت ابو رافعؓ کو قبولیت نکاح کے لیے بغیر معاوضہ کے وکیل بنایا لیکن صدقات کی وصولی کے لیے جن عاملین کو آپ ﷺ بھیجتے تو انہیں معاوضہ دیتے۔ لہٰذا اگر وکالت بامعاوضہ ہو تو وکیل اس شے کو موکل کے سپرد کرنے میں جس میں اسے وکیل مقرر کیا گیا ہے یا اس خدمت کو انجام دینے کی صورت میں اجرت کا مستحق ہو جاتا ہے بشرطیکہ ایسا کرنا ممکن ہو۔

مجلۃ الاحکام العدلیہ میں ہے:

"وہ وکالت جس میں فرائض وکالت کے لیے معاوضہ کی شرط ہو تو وکیل کو معاوضہ ادا کرنا ضروری ہوتا ہے"(۶۵)

علامہ کاسانیؒ نے وکالت کے ذریعہ معاش ہونے کا ذکر اس طرح کیا ہے:

"فی زماننالایرضون بقبض المتقاضی کالوکلاء علی ابواب القضاةلتهمة الخیانةفی اموال الناس"(۶۶)

بعض اصحاب متاخرین کا یہ قول ہے کہ ہمارے علاقوں میں وکیل تقاضا قرض کو رقم قرض پر قبضہ کرنے کا اختیار نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ہمارے زمانے میں لوگ تقاضا کرنے والے کے قبضہ پر راضی نہیں ہوتے۔ وہ وکلاء جو قاضیوں کی عدالتوں میں ہوتے ہیں چونکہ یہ لوگوں کے اموال میں خیانت کرنے کی تہمت سے متہم ہوتے ہیں لہٰذا ان کے قبضے پر رضامندی نہیں ہوتی۔

علامہ کاسانیؒ کے ان الفاظ "وہ وکلاء جو قاضیوں کی عدالتوں میں ہوتے ہیں" سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ چھٹی صدی ہجری میں بھی بعض لوگ وکالت بطور پیشہ اختیار کرتے تھے۔

نوی صدی، کے معروف فقیہ علامہ ابو الولید ابن شحنہ فرماتے ہیں:

"وللوکلاء ان یاخذوامن یعملون له من المدعین والمدعی علیهم ولکن لایاخذوالکل مجلس اکثرمن درهمین"(۶۷)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وکلاء کو چاہیے کہ وہ ایک پیشی کا معاوضہ مدعی اور مدعا علیہ کی طرف سے دو درہموں سے زیادہ وصول نہ کریں۔

ان شحنہ کے اس قول سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ اس دور میں وکلاء کا عام معاوضہ کیا ہوتا تھا۔

علامہ محمد مسعود محدث دہلوی (م ۱۸۹۲ء) سے کسی نے وکلاء کی اجرت کے متعلق پوچھا کہ اس زمانے کے وکلاء کی اجرت جو انگریزی قانون کے موافق مقدمات کرتے ہیں شرعاً حلال ہے یا حرام یا مشتبہ۔ آپ نے فتاویٰ مسعودی (۶۸) میں جواب دیتے ہوئے فرمایا:

"اگرچہ افعال وکلاء فی زماننا کے حرام ہیں لیکن اجرت ان کی حلال ہے جیسا کہ شامی میں ہے کہ اگرچہ سبب اجرت کا حرام ہو لیکن اجرت حلال ہے۔" (۶۹)

جسٹس تنزیل الرحمٰن نے وکالت کو بطور پیشہ اختیار کرنے کے متعلق لکھا ہے:

"اسلام کے نظام عدل میں وکلاء کا موجودہ طریقہ رائج نہ تھا البتہ وکیل کا بحیثیت کارندہ یا مختار کام کرنے کا وجود ملتا ہے۔ فقہ کی کتابوں میں کتاب الوکالت کے نام سے مستقل باب پایا جاتا ہے۔ مگر وکیل کی مستقل پیشہ وارانہ حیثیت نہ تھی۔ اصطلاحاً مقدمات کی پیروی کرنے والے وکیل کو وکیل الخصومت کہا جاتا تھا اگر محنتانہ طے نہ ہوا ہو مگر اس کا ادا کیا جانا مقصود ہو تو ایسی صورت میں بلحاظ نوعیت مقدمہ یا بحیثیت شخص اجر مثل (یعنی کام کے بقدر معاوضہ) دلایا جاتا تھا۔ قاضی تاج الدین ابو نصر عبدالوہاب نے اپنی کتاب " معید النعم و بعید النقم "میں اس پیشے کے جواز اور شرائط کے متعلق لکھا ہے۔

"ہمارے نزدیک حق یہ ہے کہ وکالت سے جن وکلاء کا مقصود ذات خداوندی کی خوشنودی ہے وہ مستحق تعریف ہیں گو اس کا محنتانہ کیوں نہ لیں۔ لیکن جو وکلاء صرف مقدمہ لڑنا اور حقوق کو باطل کرنا چاہتے ہیں وہ قابل مذمت ہیں۔ وکلاء کا فرض یہ ہے کہ وہ موکل سے صورت معاملہ کو خوب سمجھ لیں۔ واقعہ سے واقف ہوں اور یہ معلوم کرلیں کہ حق کس طرف ہے وہ دلیل ایسی پیش کریں جسے وہ حق سمجھتے ہوں لیکن اگر وہ اسے جھوٹ سمجھنے کے بعد بھی پیش کریں تو ان کا ٹھکانہ جہنم میں ہے۔ (۷۰)

اس عبارت سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ فی نفسہ یہ پیشہ جائز ہے لیکن اگر اس میں ناجائز حق کا حصول' جائز حق کا ابطال اور جھوٹ کی ملاوٹ ہو جائے تو پھر اس کی کمائی ہوئی دولت ناجائز ہو گی۔ یہ بات تو تجارت اور دیگر جائز پیشوں میں بھی ہے اگر کوئی تاجر کم تولے' ملاوٹ کرے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جھوٹ بولے تو اس کی یہ تجارت ناجائز ٹھہرے گی۔ حالانکہ تجارت فی نفسہ جائز ہے۔ اسی طرح وکالت بنیادی طور پر جائز ہے لیکن جھوٹ اور ناحق معاونت سے یہ پیشہ بھی من وجہ ناجائز ٹھہرے گا"۔

ڈاکٹر منیر احمد مغل اپنے مقالہ میں وکلاء کے مقدمہ میں فیس لینے کے متعلق لکھتے ہیں :

"وکیل مقدمہ کو موجبات مقدمہ، مخالف کے موجبات مقدمہ، عدالت میں حاضری، مقدمہ کی پیشی پر پیروی، شہادت کی ادائیگی، جرح، بحث، قانونی اور واقعاتی دلائل سب پر اپنی صلاحیتوں اور وقت و قوت کو صرف کرنا ہوتا ہے۔ اس لیے ان سب باتوں کے تحت اس کا محنتانہ وصول کرنا کسی طور پر بھی خلاف شرع نہیں۔ غلط بات کو سچ ثابت کرنا کسی طور پر بھی جائز نہیں بشرطیکہ وہ واقعی غلط ہو، حق تلفی کرنا گناہ ہے اور وکیل اپنے موکل کو حق تلفی سے بچاتا ہے۔ بعض اوقات حق تو ہوتا ہے مگر اس کو ثابت کرنا اور باور کرانا بڑا مشکل کام ہوتا ہے۔ جس کے لیے بڑی معلومات اور گہری نگاہ کی ضرورت ہوتی ہے جو عام سطح کے لوگ نہیں سمجھ سکتے۔ وکیل کا کام ہے پوری محنت کر کے حق کو محفوظ کرے ایسا کرتے وقت اس پر یہ فرض بھی عائد ہوتا ہے کہ فریق مخالف کے کسی چھوٹے حق کو بھی ناحق وصول کرنے سے بچے۔ لہٰذا وکیل کا محنتانہ وصول کرنا جائز ہے"(۷۱)

ان دلائل کے علاوہ کتب تذکرہ وسیرت سے بعض ایسے لوگوں کا پتہ چلتا ہے جو پیشہ وارانہ وکالت کا کام کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ تذکرہ کی کتب میں ان کے ناموں کے ساتھ وکیل تحریر کیا گیا ہے۔ ایسے چند لوگوں کے نام یہ ہیں۔ محمد بن خلف وکیعؒ (م ۳۰۶ھ) نے ابوبکر بن محمد کے متعلق لکھا ہے :

۱۔ محمد بن عمر اور عبداللہ بن جعفر نے کہا کہ انہوں نے ایک جھگڑے کے مقدمہ میں ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کو اپنا وکیل مقرر کیا۔ (۷۲)

خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ) نے تاریخ بغداد میں ان وکلاء کا ذکر کیا ہے۔

۲۔ احمد بن الحسن کے متعلق آپ کا بیان ہے :

"احمدبن الحسن بن احمدابوالعباس الوکیل المعروف بالدینوری"(۷۳)

(احمد بن حسن بن احمد ابو العباس وکیل دینوری کے نام سے معروف تھے)

۳۔ احمد بن سعید (م ۳۰۷ھ) کے متعلق ہے :

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"احمد بن سعید بن سعد ابوالحسین وکیل"(۷۴)

(احمد بن سعید بن سعد ابوالحسین وکیل تھے۔)

۴۔ احمد بن الحسین کے بارے میں ہے :

"احمدبن الحسین بن احمدبن عصمه ابوالحسن وکیل"(۷۵)

(احمد بن حسین بن احمد بن عصمہ ابوالحسن وکیل تھے)

۵۔ علامہ شمس الدین الذھبی (م ۷۴۸ھ) نے بھی تذکرۃ الحفاظ میں ایک وکیل امام احمد بن موسیٰ کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

"امام احمدبن موسی بن عیسی جرجانی وکیل وکان وکیلاً علی باب القضاۃ"(۷۶)

(امام احمد بن موسیٰ بن عیسیٰ جرجان کے رہنے والے تھے ممتاز حافظ حدیث تھے۔ آپ باب القضاۃ کے وکیل تھے۔ آپ کا انتقال ۳۶۸ھ میں ہوا۔)

صلاح الدین الصفدی (م ۷۶۴ھ) نے اپنی کتاب الوافی بالوفیات میں ان وکلاء کا تذکرہ کیا ہے۔

۶۔ احمد بن رزق اللہ کے متعلق ہے :

احمد بن رزق اللہ بن محمد ابوالفضائل (م ۵۰۴ھ / ۱۱۱۰ء) وکیل تھے۔(۷۷)

۷۔ محمد بن احمد کے متعلق لکھا ہے :

"محمدبن احمدبن محمدالمقری الوکیل(م ۵۹۱ھ/ ۱۱۹۴ء)

وکان وکیلًا بین یدی القضاۃ"(۷۸)

محمد بن احمد بن محمد المقری قاضیوں کے سامنے وکیل تھے۔

۸۔ محمد بن ھبۃ اللہ کے بارے میں ہے :

محمدبن ھبۃ اللہبن کامل ابوالفرج (م ۶۰۷ھ / ۱۲۰۱ء) بغداد کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے ابو محمد عبداللہ بن علی سے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی اور ابوالحسن بن انحل وابونصربن ذرماسے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔

"وکان صدوقًا حسن الاخلاق--وکان وکیلًا ثم عزل ولزم بیته وافتقر وساء ت حال ولزمته الامراض الی حسن وفاته"(۷۹)

(آپ اعلیٰ اخلاق اور سچائی کے حامل تھے۔ اور بادشاہ کے وکیل تھے۔ بعد ازاں انہیں اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منصب سے معزول کر دیا گیا اور وہ گھر ٹھہرنے لگے۔ اس کے بعد ان پر غربت آ گئی اور برا حال ہوا اور وفات تک بیماریوں میں مبتلا رہے۔

ان وکلاء کے تذکرہ سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ تیسری صدی ہجری سے وکالت کو بطور پیشہ زندگی اختیار کرنا شروع ہو گیا تھا۔

ان تمام وضاحتوں کے باوجود بعض علماء وکالت بالخصومت کو بطور ایک پیشہ 'کاروبار' طریقہ اکتساب رزق شرعاً ناجائز قرار دیتے ہیں۔ جیسے کہ پاکستان کے معروف عالم دین مفتی سید سیاح الدین کاکاخیل رکن اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے۔ آپ فرماتے ہیں :

"عموماً پیشہ وکالت کو جائز قرار دینے کے لیے فقہاء کرام کی یہ عبارت پیش کی جاتی ہے۔

"الوكالة بالخصومة جائزة برضاء الخصم"

اس سے وکالت بطور ایک مستقل پیشہ کے جائز ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ مروجہ وکالت بطور ایک پیشہ کے کبھی نہیں رہی اور نہ ہی یہ پیشہ وارانہ وکالت بالخصومت کسی فقہ کی کتاب میں جائز قرار دی گئی ہے۔ دراصل یہ پیشہ مغربی نظام عدل کے ساتھ ساتھ جو اپنے اکثر اجزاء اور طریق کار کے اعتبار سے نظام جور و بہ ظلم ہے رواج پذیر ہوا ہے اس لیے بطور ایک پیشہ اور ذریعہ اکتساب کے اس کا شرعی جواز بالکل نہیں اور اسلامی نظام عدل کے لیے بطور ایک پیشہ کا اس کا بالکل ختم کرنا ضروری ہے۔ اگر مستقل اس قسم کے پیشہ ور وکلاء موجود ہوں اور وہ ہر مدعی سے فیس لے کر وکیل الخصومت بنا کر قانونی موشگافیاں کریں اور ہر طرح کے فقہی جزئیات اور شاذ اقوال نکال نکال کر قاضیوں اور ججوں کو مرعوب و متاثر کرتے ہوں اور صحیح واقعی شرعی راہنمائی کی بجائے اپنے مقدمہ کو کامیاب کرنے کے لیے سارے ماہرانہ اور فقیہانہ حربے استعمال کرتے ہوں تو اس طریقہ سے عادلانہ نظام قائم نہیں ہو سکے گا۔

فقہ کی کسی کتاب میں فقہاء کے کسی دور میں اور پوری اسلامی تاریخ میں یہ وکالت بالخصومت بطور ایک پیشہ اور مستقل طریقہ اکتساب رزق ثابت نہیں۔ مجھے اسلامی نظام عدل کی کسی تاریخ اور کسی کتاب میں نہیں ملا کہ قاضیوں کی مجلس فقہاء کے ارد گرد سینکڑوں اشخاص شرعی قوانین واحکام کی مہارت کی ڈگریاں اور لائسنس حاصل کیے ہوئے اس انتظام میں بیٹھے ہوں کہ کوئی گاہک آئے گا' کوئی مدعی آ کر کہے گا کہ میں اس قسم کا دعوی کرنا چاہتا ہوں۔ آپ مجھے یہ طریقہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بتادیں کہ میں دعوی کن قانونی دفعات کو پیش نظر رکھ کر دائر کروں۔وہ ماہرین قانون کچھ مالی معاوضہ طے کرکے اپنی مہارت و قانون دانی کی خدمات اس کو پیش کردے گا۔دعوی بر حق ہو نا حق اس سے قطع نظر محض اس کی فیس کی وجہ سے یہ ماہر قانون دان ایک خاص قانونی انداز میں دعوی مرتب کردے گا اور اس کی اثبات کے لیے گواہوں کی ضرورت ہوگی تو اگر سچے اور واقعی گواہ نہ بھی مل سکتے ہوں تو یہ طریقہ سکھائے کہ اس طرح گواہ تلاش کیے جائیں اور پھر ان گواہوں کو حسب منشا گواہی کی تلقین کی جائے اور یہ جانتے بوجھتے کہ دعوی غلط ہے گواہی جھوٹی ہے دعوی کو صحیح ثابت کرنے اور گواہوں سے گواہی دلوانے کی کوشش کی جاتی ہو اور اپنے مقدمہ کو کامیاب کرانے کے لیے قاضی کو بھی کتب فقہ کے غلط حوالوں کے ذریعہ غلط فیصلہ کرنے پر آمادہ کیا جاتا ہو اس طرح کوئی مدعا علیہ حاضر ہوا ہو تو اگرچہ وہ ناحق پر ہے اور ایک صحیح حقدار کا حق مارنا چاہتا ہے تو فیس دے کر اس سے ایک ایسا جواب دعوی تیار کیا جاتا ہو اور اس کی وکالت کی جاتی ہے جس سے حقدار کا حق مارا جارہا ہے اور اس کے لیے بھی غلط قانونی حوالے پیش کر کے قاضی کو اس طرح مجبور کیا جارہا ہو کہ وہ مدعی کا سچا دعوی بھی جھوٹا قرار دیکر خارج کردے اور یہ قانون کا ماہر یہ سمجھے کہ یہ واقعی حقدار ہے تم اس کو جج کے ہاں سے اپنا جائز حق وصول کرنے کا صحیح طریقہ بتادے۔کیونکہ جب کسی شخص کے جائز حق کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کو صحیح مشورہ دینا شرعاً بھی ضروری ہے اور اس کو صحیح طریقہ سے دعوی مرتب کر کے قاضی جج کے ہاں دائر کرنے میں اس کی اعانت کرتا ہے۔

اسلامی اخلاق کا اصل تقاضا تو یہ ہے کہ یہ راہنمائی کسی فیس اور معاوضہ کے بغیر اللہ تعالی اور ثواب آخرت کے لیے کی جائے کیونکہ حدیث میں ہے :

"من کان فی عون اخیه فان اللّٰہ فی عونه ومن فرج عن مومن کربة من کرب الدنیافرج اللّٰہ عنه کربة من کرب الاخرة"(۸۰)

(جو کوئی اپنے بھائی کی مدد میں ہوتا ہے۔پس بے شک اللہ تعالی اس کی مدد میں ہوتا ہے وہ جو کوئی کسی مومن کی دنیاوی تکلیف کو دور کرے اللہ تعالی اس کے اخروی تکلیف کو دور کرے گا۔)

کے وعدوں پر یقین کرے لیکن اگر کبھی اس سلسلہ میں کچھ لکھنے لکھانے کی محنت کرنی پڑے اس کا کچھ وقت خرچ ہو کسی اور کام میں حرج واقع ہو تو پھر اس کا معاوضہ مناسب انداز میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیناشرعاًجائز ہو گا۔

یہ اجرت در حقیقت دینی مسئلہ بیان کرنے کی نہیں ہوتی بلکہ لکھنے لکھانے اور اپنا حرج کر کے وقت خرچ کرنے کی ہو گی۔اور مناسب مقدار میں ہو گی۔

الغرض میری قطعی رائے ہے کہ وکالت بطور ایک پیشہ اور کاروبار کے ہرگز شرعی نہیں نہ فقہاء کی عبارت کی یہ مطلب ہے۔فقاہت کا یہی تقاضا ہے کہ وکالت بالخصومت کو ناجائز قرار دیا جائے۔(۸۱)

یہ رائے مفتی سید سیاح الدین کاکاخیل کی ہے۔

اس وکالت کو وصفی لحاظ سے بطور پیشہ اختیار کرنا ناجائز قرار دیا گیا ہے۔بہر حال بظاہر یہ رائے بہتر معلوم نہیں ہوتی کیونکہ کسی بھی امر کی جزوی قباحت سے مطلقاً اس امر کو ناجائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔البتہ جب اور جہاں وہ ناجائز وجہ موجود ہو گی تو وہ امر وہاں ناجائز ہو گا اور اگر ناجائز امور واسباب کو ختم کر دیا جائے تو وہ امر جائز ہو گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حواشی و حوالہ جات

۱۔ احمد ابراہیم بک ٗکتاب المعاملات الشرعیہ المالیہ ٗادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ ٗکراچی ٗ(ت۔ن) ٗص ۱۷۴

۲۔ ابن شحنہ ٗلسان الحکام یلیہ معین الحکام لعلی بن خلیل طرابلسی ٗمصطفیٰ البابی ٗمصر ۱۹۷۳ء ٗص ۲۵۰

۳۔ ایضاً

۴۔ قاضی خاں ٗفتاوی قاضی خان ٗحافظ کتب خانہ ٗکوئٹہ ٗ۱۹۹۰ء ٗ۳ / ۱۴

۵۔ نویری ٗنہایۃ الارب ٗدارالکتب مصریہ ٗقاہرہ ٗ۱۹۲۶ء ٗ۹ / ۱۳۶

۶۔ خالد الاتاسی ٗشرح المجلہ الاحکام العدلیہ ٗمکتبہ اسلامیہ ٗکوئٹہ ٗ۱۴۰۳ھ ٗ۴ / ۴۰۲

۷۔ جزیری ٗکتاب الفقہ ٗ۳ / ۱۸۰

۸۔ قفال الشاشی ٗحلیہ العلماء ٗدار الباز مکتبہ الرسالۃ الحدیثہ ٗمکہ مکرمہ ٗ۱۹۸۸ء ٗ۵ / ۱۱۷

۹۔ طحطاوی ٗحاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار ٗدار المعرفۃ ٗبیروت ٗ۱۹۷۵ء ٗ۳ / ۲۶۴
احمد حمد ٗنظریۃ النیابۃ فی الشریعۃ والقانون ٗدار لقلم ٗکویت ٗ۱۹۸۱ء ٗص ۲۸۔۲۹

۱۰۔ قفال الشاشی ٗحلیہ العلماء ٗ۵ / ۱۱۷

۱۱۔ احمد حمد ٗنظریۃ النیابۃ ص ۲۹

۱۲۔ شیخ نظام ودیگر ٗفتاوی ہندیہ ٗنورانی کتب خانہ ٗپشاور ٗ(ت۔ن) ٗ۳ / ۶۱۶

۱۳۔ احمد حمد ٗنظریۃ النیابۃ ص ۳۰

۱۴۔ ایضاً

۱۵۔ احمد ابراہیم ٗکتاب المعاملات الشرعیہ ٗص ۱۸۲

۱۶۔ احمد حمد ٗنظریۃ النیابۃ ص ۳۰

۱۷۔ مجلۃ الاحکام العدلیہ ٗ(نمبر ۱۴۶۱) ٗنور محمد ٗکراچی ٗ(ت۔ن) ٗص ۲۸۴

۱۸۔ مجلۃ الاحکام العدلیہ ٗ(نمبر ۱۴۶۰) ٗص ۲۸۳۔۲۸۴

۱۹۔ سرخسی ٗالمبسوط ٗ۱۹ / ۷۴

۲۰۔ برہان الدین محمود ٗالمحیط البرہانی ٗ(مخطوطہ فوٹوسٹیٹ کاپی) قائداعظم لائبریری ٗ(نمبر ۱۱ ٗ۲۵۶۔ب ۴۹۱م) لاہور ٗ۶ / ۲۱۶۰

۲۱۔ فتاوی عالمگیری ٗ۳ / ۵۶۵

۲۲۔ برہان الدین محمود ٗالمحیط البرہانی ٗ۶ / ۲۱۱۵

۲۳۔ مجلۃ الاحکام العدلیہ ٗ(نمبر ۱۴۶۷) ص ۲۸۵۔ ابن قدامہ ٗالمغنی ٗ۵ / ۹۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۴۔ احمد ابراہیم، کتاب المعاملات الشرعیہ، ص ۱۷۵

۲۵۔ جزیری، کتاب الفقہ، ۳/ ۲۰۷۔۲۰۸

۲۶۔ ابن قدامہ، المغنی، ۵/ ۹۴

۲۷۔ ظفر احمد عثمانی، اعلاء السنن، ۱۵/ ۳۱۴

۲۸۔ ایضاً

۲۹۔ سنہوری، مصادر الحق، ۵/ ۱۸۴۔۱۸۵

۳۰۔ ابن شحنہ، لسان الحکام، ص ۲۵۰

۳۱۔ لسان العرب (بذیل مادہ وصی) ۱۵/ ۳۹۴۔۳۹۵۔ الصحاح، ۶/ ۲۵۲۵

۳۲۔ جرجانی، التعریفات، ۲۲۵

۳۳۔ مرغینانی، ہدایہ، محمد علی کارخانہ کتب، کراچی، (ت۔ن)، ۴/ ۶۵۳، قدوری، المختصر، سراج الدین پبلیشرز، لاہور (ت۔ن) ص ۲۸۱

۳۴۔ بدر الدین عینی، البنایہ المعروف عینی شرح ہدایہ، المکتبۃ الامدادیہ، مکہ مکرمہ، (ت۔ن)، ۴/ ۵۸۴۔ ابن نجیم، الاشباہ والنظائر، بیروت، ۱۹۸۳، ص ۴۴۸

۳۵۔ ابن نجیم، البحر الرائق، ۸/ ۴۴۰

۳۶۔ امام محمد بن حسن شیبانی، الجامع الکبیر، دار المعارف النعمانیہ، لاہور، ۱۹۸۱، ص ۲۸۹

۳۷۔ ابن نجیم، الاشباہ والنظائر، ص ۴۴۸، ابن نجیم، البحر الرائق، ۸/ ۴۵۶۔۴۶۰

۳۸۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۶/ ۲۰

۳۹۔ ابن نجیم، الاشباہ والنظائر، ص ۴۴۸

۴۰۔ ایضاً

۴۱۔ ایضاً

۴۲۔ ایضاً

۴۳۔ مرغینانی، ہدایہ، ۴/ ۶۵۷

۴۴۔ ابن نجیم، البحر الرائق، ۸/ ۴۵۶

۴۵۔ مرغینانی، ہدایہ، ۴/ ۶۵۹

۴۶۔ المفردات، ص ۳۸۷

۴۷۔ سورۃ المومن، ۴۰/ ۴۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۸۔ جزیری 'کتاب الفقہ' ترجمہ منظور احمد عباسی' محکمہ اوقاف' لاہور' ۱۹۷۷ء' ۲/ ۶۷۷

۴۹۔ جزیری کتاب الفقہ' مترجم' ۴/ ۶۷۷۔۶۷۸

۵۰۔ المنجد فیہ اللغہ والاعلام' دارالمشرق' بیروت' ۱۹۷۳ء' ص ۶۶۳

۵۱۔ ایضاً

۵۲۔ عبدالرزاق سنہوری' الوسیط' ۷ الف/ ۵

۵۳۔ ایضاً' ص ۱۴۔۱۶

۵۴۔ المنجد' ص ۲۵۹

۵۵۔ امام احمد' ۴/ ۲۲۲

۵۶۔ مجلّہ الاحکام العدلیہ' (نمبر ۱۴۵۰) ص ۲۸۰

۵۷۔ ایضاً۔ (نمبر ۱۴۵۴) ص ۲۸۱

۵۸۔ ابن عابدین' ردالمختار' مکتبہ رشیدیہ' کوئٹہ' ۱۴۱۲ھ' ۴/ ۴۴۴

۵۹۔ خالد اتاسی' شرح مجلّہ الاحکام العدلیہ' ۴/ ۴۰۳

۶۰۔ ابن عابدین' ردالمختار' ۴/ ۴۴۴۔ ابن نجیم' البحرالرائق' ۷/ ۱۴۰

۶۱۔ ابن نجیم' البحرالرائق' ۷/ ۱۴۰

۶۲۔ جزیری 'کتاب الفقہ' (مترجم) ۴/ ۷۷۴

۶۳۔ البخاری' (کتاب الوکالۃ' باب الوکالۃ فی الوقف)' ۱/ ۳۱۳

۶۴۔ ابن قدامہ' المغنی' ۵/ ۹۴

۶۵۔ مجلۃ الاحکام العدلیہ' (نمبر ۱۴۶۷) ص ۲۸۵

۶۶۔ کاسانی' بدائع الصنائع' ۶/ ۲۵

۶۷۔ ابن شحنہ' لسان الحکام' ص ۲۱۹

۶۸۔ یہ فتاوی حضرت شاہ محمد مسعود محدث دہلوی کے فتووں پر مشتمل ہے۔ آپ کا اصل نام رحیم بخش بن الٰہی بخش تھا۔ آپ کا لقب محمد مسعود تھا۔ آپ فاروقی النسب تھے۔ ۱۲۵۰ھ/ ۱۸۳۴ء کو آپ دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے اساتذہ میں نواب قطب الدین' صاحب مظاہر حق اور صاحب فتاوی نذیریہ مولانا سید نذیر حسین زیادہ معروف ہیں۔ آپ ۱۳۰۹ھ/ ۱۸۹۲ء کو فوت ہوئے۔ آپ نے تقریباً تیرہ کتب تصنیف کیں۔ اس فتاوی کو ڈاکٹر محمد مسعود احمد پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج ٹھٹھہ نے مرتب کیا۔ (ڈاکٹر مسعود احمد' فتاوی مسعودی (حیات مسعودی)' [illegible] پبلیکیشنز' کراچی' ۱۹۸۴ء' ص ۱۵۔۵۹)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۶۹۔ شاہ محمد مسعود، فتاوی مسعودی، ص ۴۵۹

۷۰۔ ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن "اسلام کا نظام عدل" سہ ماہی منہاج، لاہور جلد اول، شمارہ ۴، (اکتوبر ۱۹۸۳ء، محرم ۱۴۰۴ھ) ص ۷۷

۷۱۔ ڈاکٹر منیر احمد مغل، پیشہ وکالت کی شرعی حیثیت "سہ ماہی منہاج" لاہور، جلد ۳، شمارہ ۲ (اپریل ۱۹۸۵ء، رجب المرجب ۱۴۰۵ھ) ص ۱۵۰۔۱۵۱

۷۲۔ وکیع، اخبار القضاۃ عالم الکتب، بیروت، (ت۔ن)، ۱/ ۱۳۹

۷۳۔ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، المکتبۃ السلفیہ، مدینہ منورہ، ت۔ن، (نمبر ۱۷۳۸)، ۴/ ۹۳

۷۴۔ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، (۱۸۵۴)، ۴/ ۱۷۳

۷۵۔ ایضاً، (۱۷۶۲)، ۴/ ۱۰۶

۷۶۔ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ (نمبر ۹۲۰) دار الفکر العربی، مکہ مکرمہ، ۱۳۷۴ھ، ۳/ ۹۸۵

۷۷۔ الصفدی، کتاب الوافی بالوفیات، (نمبر ۲۸۸۲) دار صادر، بیروت، ۱۹۷۴ء، ۶/ ۳۸۰

۷۸۔ الصفدی، کتاب الوافی (نمبر ۴۲۱) ۲/ ۱۰۱، ۴۱۷

۷۹۔ ایضاً، (۲۱۸۰)، ۴/ ۱۵۴، خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۱/ ۲۶۵

۸۰۔ امام احمد، ۲/ ۹۱، ۲۷۴، ۵۱۴

۸۱۔ The All Pakistan Legal Decisins, 1987 PLD Journal, Vol, xxxix, 5/94-98

© rasailojaraid.com